نوآبادیاتی دور کی دُعائیہ شاعری

نائیلہ انجم، پی ایچ۔ڈی سکالر، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Abstract

This research article covers the Duaiya poetry of the colonial era. It presents the different aspects of Dua chronologically from the perspective of the social and religious association of poets social duaya poetry is made the argument of this work.

۱۸۵۷ء کا سانحہ اوراس کے ہمہ گیر اثرات برعظیم کی تاریخ کا اہم باب ہیں۔اس سانحے نے جہاں ہر طبقۂ فکر کو متاثر کیا وہاں شعرا کیلئے بھی یہ تازیانہ سے کم نہ تھا۔عظمت رفتہ کے مٹنے کا غم، انگریزوں کا ظلم وستم، تہذیبی، ثقافتی، سماجی اور سیاسی غرضیکہ ہر سطح پر مسلمانوں کی زندگی پستی وزوال کا شکار تھی۔ یہ روداِدالم فکر انگیز بھی تھی اور درد سے لبریز تھی۔شعرائے کرام کے لئے خاص طور پر یہ حادثہ جانفزا دل پر کاری ضرب تھا۔

برصغیر کی سیاست اورفکر میں تیزی سے رونما ہونے والی تبدیلیوں سے بہت سے شاعر بالواسطہ اور بلاواسطہ متاثر ہوتے رہے ہیں۔ یہ اثرات ہر شاعر کے شعور و لاشعور میں کم یا زیادہ پختہ وراسخ نظر آتے ہیں۔۱۸۵۷ء کے سیاسی وسماجی حالات کے پیش نظر شاعری کا مقصد اقدار کا احیا اور اسلامی روایات سے وابستگی تھا۔شعرا کو یہ ادراک حاصل تھا کہ عملی کاوشوں کے ساتھ خالقِ کائنات کے حضور درخواست ضروری ہے اس لئے شاعروں کے ہاں تلاش وجستجو، نیک عزائم اور خلوص کی کارفرمائیوں کے درمیان، دُعا بنیادی موضوع رہا ہے۔

شکست وریخت اور اضطراب سے بھرپور دور میں شعرا کی اکثریت دُعا اور تاثیر دُعا کی قائل رہی ہے۔کچھ شعرا کے ہاں تو آغاز سے اختتام تک شاعری دُعا کے حصار میں لپٹی نظر آتی ہے۔شاعروں کی پرسوز التجائیں اورآہ ونالہ ذاتی بھی ہے اور اجتماعی حوالے سے بھی، لیکن خصوصاً اس دور کے شاعروں نے ملت کے حق میں بار بار استغاثہ کیا ہے۔ وہ رب دوجہاں سے دستگیری کے متمنی ہیں۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ دُعا کا یہ سفر ذات کی قید سے ماورا، کسی مخصوص خطے سے بالاتر کل مسلم امہ کیلئے ہے۔ مسلم امہ جو چاروں طرف سے حوادث ومصائب کا شکار تھی اس کیلئے شاعروں نے عروج اور ترقی کی دُعائیں زوروشور سے کی ہیں، خاص طور پر حالی مولانا ظفرعلی اور اقبال کی شاعری کا بڑا حصہ دُعائیہ اشعار پر مشتمل ہے۔

شاعروں نے ملک وقوم کیلئے جو دُعائیں کی ہیں ان میں تڑپ، تمنا، اضطراب اورخلوص موجود ہے۔ان دُعائیہ اشعار کو پڑھ کر محسوس ہوتا ہے کہ دُعا کے ذریعے اطمینان قلب حاصل کرنے کے علاوہ یہ تیقن موجود ہے کہ مسلمانوں کا اوج اور اسلام

کی بقا کیلئے عملی کوششیں کرنے کے ساتھ دُعا بھی ضروری ہے۔ یہاں اس امر کا ذکر بھی ضروری ہے کہ ہماری شاعری میں دُعا کا تصور کسی نہ کسی شکل میں ہمیشہ موجود ہے خاص طور پر قصیدے میں شاعر حسن طلب کے ساتھ دُعا کیلئے ملتمس ہوتا ہے۔ اگرچہ ان دُعاؤں میں ممدوح کی درازیٔ عمر، جاہ وشوکت میں اضافہ کا پہلو غالب ہے۔ شاعر اس میں مبالغہ آمیزی اور خوشامد کو بھی شامل کرتا ہے۔ ان دُعاؤں میں شکم پرستی اور ذاتی منفعت کا حصول بھی مقصد ہوتا ہے۔

جیسا کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے اگلی دہائیوں میں ہونے والے سیاسی سماجی اثرات کا ذکر ہوا۔ اس حوالے سے شعرائے کرام کی دُعاؤں کا انداز متنوع و مختلف ہے۔ تہذیب نو سے متاثر زوال پذیر قوم نے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکوں سمیت کئی فرقہ وارانہ تحریکوں کا بھی سامنا کیا تھا جو مسلمانوں کے اتحاد و یگانگت کے لئے سم قاتل ثابت ہوئیں۔ ایسے نازک دور میں ملک وقوم کی کامیابی کیلئے اجتماعی دُعاؤں کا جو انداز اپنایا گیا ذیل میں ہم مختلف شعرا کے حوالے سے انہیں فرداً فرداً پیش کریں گے۔

محمد حسین آزاد نے علم و ادب کے دائرے میں رہ کر قوم کی خدمت کی تھی لیکن عملی طور پر قوم کی اصلاح کی ذمہ داری نہیں اُٹھائی۔ وہ دین و دُنیا کو الگ رکھنے کے قائل تھے تاہم ان کے کلام میں مذہبی وابستگی کی مثالیں حمد، منقبت، سلام اور دُعا کی شکل میں نظر آتی ہے۔ آزاد کو اس بات کا ادراک ہے کہ خدائے عزّ وجل کے دامن سے وابستہ ہو جانے میں فلاح و کامرانی اور نجات کا راستہ ہے اور اسی وابستگی سے مایوسی اور پریشانی کا قلع قمع ہو جاتا ہے اس لئے وہ قوم کی ڈوبتی ہوئی کشتی کی حفاظت کیلئے بدست دُعا ہیں۔

آنکھیں سبھوں کی لگ رہی ہیں بادبان پر
اور جاتی ہے دُعا کی صدا آسمان پر
یہ سب کے سب ہیں بیٹھے ہوا کی امید پر
اے ناخدا تو رہیو خدا کی امید پر [۱]

الطاف حسین حالی کے ہاں حب الوطنی کے جذبات، ماضی کی روایات کی پاسداری، مسلمانوں کی پستی کا رنج اور امت مسلمہ کی بحالی کی شدید تر خواہش جابجا دکھائی دیتی ہے۔ ان کے ہاں مذہبی اقدار کا گہرا احساس موجود ہے۔ حالی کی اخلاقی اقدار مذہب کے تابع ہیں اس لئے مسلمانوں کی اصلاح اور ترقی کیلئے عملی کاوشوں سے پیش تر وہ خدا سے دُعا کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ بارگاہِ ایزدی میں دُعا کا یہ اہتمام اپنی ذات کیلئے نہیں بلکہ امت مسلمہ کیلئے ہے۔ حالی کی دُعائیہ شاعری بحیثیت مجموعی اصلاحی نوعیت کی حامل ہے جس کا اپنا رنگ اور مزاج منفرد ہے۔ وہ کہتے ہیں:

چارہ آخر کچھ نہیں حالی بجز صبر و سکون
کر دُعا اب اھد قومی انھم لا یعلمون [۲]

اُردو شاعری میں حالی کی مدوجزر اسلام بہت اہم ہے اس کا مقصد صرف مسلمانوں کے عروج و زوال سے آگاہ کرنا نہیں ہے بلکہ حوصلہ مندی کے جذبات پیدا کر کے بارگاہ ربی میں قوم کیلئے دُعا کرنا بھی ہے اسی لئے وہ اسلامی تہذیب وتمدن کے انحطاط اور مسلمانوں کے جمود کی داستان کو رقت آمیز انداز میں پیش کرتے ہوئے دُعا کرتے ہیں:

طفیل اس کا اور اس کی عترت کا یا ربّ
پکڑ ہاتھ جلد اس کی امت کا یا ربّ
اک ابر اس پہ بھیج اپنی رحمت کا یا ربّ
غبار اس سے جو دھوئے ذلت کا یا ربّ ۳؎

حالی کے معاصرین میں محمد اسمٰعیل میرٹھی کا نام بھی ان لوگوں میں شامل ہے جنہوں نے قوم کو پسپائی اور پسماندگی سے نکال کر ہمت، عزم نو اور عمل کا سبق دیا۔ ان کے ہاں عصری صورتحال کے پیش نظر قوم کی سربلندی اور خوشحالی کی خواہش جنم لیتی ہے۔ رب کریم کے لطف وکرم کے خواہاں ہیں۔ یہ عنایات ذاتی اور اجتماعی دونوں حوالوں سے طلب کی گئی ہیں وہ عرش بریں تک اپنی صدا پہنچانا چاہتے ہیں اس لئے نصیحت آمیز انداز میں دُعا گو ہیں۔

ہو عطا توفیق تم کو کسب علم و فضل کی
قوم کے اعزاز کا پرچم اڑے بالائے بام
قابلیت ہر ضعف میں جلد تر پیدا کرو
تامعیشت کے مدارج تم کو حاصل ہوں تمام ۴؎

اکبرالہ آبادی کے دور میں مادیت پرستی اور مغربی تہذیب کی چکاچوند نے لوگوں کو دینی عقائد اور مذہب سے بیزار کر دیا تھا وہ ایسے دور میں بھی روحانی ترقی کی برتری کے قائل نظر آتے ہیں۔ اکبر کے ہاں خدا کی یاد اور اس سے محوکلام ہونے کے لمحات نے وارفتگی کی دلکش کیفیات پیدا کی ہیں۔ ان کے کلام میں خدا سے مدد کی درخواست، حوصلوں کی تقویت اور ایمان کی تازگی کا باعث ہے۔ اکبر کو معاشی اور سیاسی تنزلی سے زیادہ اس بات کا دکھ ہے کہ مسلمان روحانی زوال کا شکار ہو چکے ہیں۔

اکبر کے ہاں دُعا ایک مختلف شکل میں نظر آتی ہے وہ مسلم امہ کیلئے دُعا کی بجائے اس بات کے طالب نظر آتے ہیں کہ وہ دُعا کرنے کا چلن سیکھ لیں رب ذوالجلال کی طرف رجوع کریں۔

نہ دلوں میں اب ہے وہ ذوقِ حق نہ دُعا کا یاد ہے سبق
نہ وہ آہ ہے نہ وہ شوق ہے نہ وہ تیر ہے نہ کمان ہے ۵؎

حالی کے ساتھیوں میں شبلی نعمانی کا شمار ان لوگوں میں شامل ہے جو حساس طبع تھے۔ شبلی کے دل میں قوم کا گہرا درد موجود تھا۔ ان کے فکر وعمل کا دائرہ ملت اسلامیہ کی فلاح تک محدود تھا۔ ان کی شاعری میں جہاں جہاں امید کے دیئے روشن نظر آتے ہیں وہیں دُعا کیلئے ہاتھ اٹھتے دکھائی دیتے ہیں۔ وہ غیر یقینی کیفیات میں خدا کی ذات کا سہارا لیتے ہیں۔

عجب کیا ہے یہ بیڑا غرق ہو کر پھر اچھل آئے
کہ ہم نے انقلاب چرخ گردوں یوں بھی دیکھے ہیں

دُعائے کہنہ سالاں ہے اگر مقبول یزدانی
تو اب دست دُعا ہے اور یہ شبلی نعمانیؔ ۶؎

مولانا ظفر علی خان نے شعر و ادب، خطابت، صحافت اور سیاست پر گہرے نقوش ثبت کئے ہیں۔ انہوں نے ایسے حالات میں امت مسلمہ کو بیدار کرنے کا بیڑہ اٹھایا جب سر سید احمد خان قوم کی حالت زار پر رنجیدہ تھے اور ان کے رفقائے کار تاریکی سے نور کی پرچھائیاں تلاش کرنے میں مدد و معاون تھے۔ ایسے وقت میں ظفر علی خان کی شاعری میں مسلمان امت کیلئے خلوص، محبت، ولولہ اور صدقِ جذبات کا طوفان اُمڈتا نظر آتا ہے۔ آزادی اور حب الوطنی کے جذبات ابھارنے کیلئے اور ذاتی ترفع حاصل کرنے کیلئے اصل کلید اسلام کے اصولوں کی پیروی اور دُعا ہے۔ ظفر علی خان کی طبیعت میں جوش و ولولہ نے ہنگامہ خیزی کے جذبات ابھارے اور اسلام کے دوبارہ عروج کی خواہش نے ان کے ہاں دُعا کے متنوع انداز پیدا کر دیئے ہیں۔ وہ اخلاقی و روحانی بے راہروی کا شکار، غیر اسلامی رسوم و رواج میں الجھے مسلمانوں کو تاریخ کے دورِ اول جیسا عروج دلانا چاہتے ہیں اس لئے سوز و گداز سے لبریز استدُعا کرتے ہیں۔

قوت اگلی سی عطا کر تو مسلمانوں کو
اور کر بار دگر ان پر در حکمت باز [۷]

☆

نہ پھیر ان سے خدایا گوشہ چشم کرم اپنا
مسلماں جی رہے تیری ہی رحمت کے سہارے ہیں [۸]

☆

اے خدا نام مسلماں کا ہو دُنیا میں بلند
اس بلندی کو کہیں خطرہ پستی نہ رہے [۹]

علامہ محمد اقبال کی شاعری کی بنیاد اسلامی تہذیب و تاریخ اور مذہبی افکار ہیں۔ زندگی کا ہر پہلو خواہ وہ اخلاقی، سیاسی یا سماجی ہو ان کی فکر اسلامی افکار و نظریات سے رجوع کرتی ہے۔ اقبال کے سامنے تاریخ عالم کے صفحات عیاں تھے جس پر رقم مسلمانوں کی تباہی، مسلمانوں کے جاہ و حشمت کے ڈوبتے سورج اور مغربی اقوام کی رفعت و بلندی کی داستانیں خون کے آنسو رلانے کیلئے کافی تھیں۔ ایسے پر آشوب حالات میں اقبال کا قلب مضطرب، ذہنی و جذباتی ناآسودگی کا شکار تھا۔

اقبال کے دل میں دردمندی کی جو لہر اُٹھتی تھی اس نے شخصی دکھ درد سے ماورا ہو کر مسلمانوں کے خلفشار اور کرب کو موضوع بنایا۔ اقبال نے معرفت الٰہی کا راز پا لیا تھا۔ وہ راز دُعا اور توکل میں مضمر تھا جس کے ساتھ عملی کاوشوں کی ضرورت تھی۔ وہ اپنے تیسرے خطبے ''ذاتِ الٰہیہ کا تصور اور حقیقتِ دُعا'' میں کہتے ہیں:

> ''مذہب کیلئے یہ ممکن نہیں کہ صرف تصورات پر قناعت کرے۔ وہ چاہتا ہے کہ اپنے مقصود و مطلوب کا زیادہ گہرا علم حاصل کرے اور اس سے قریب تر ہوتا چلا جائے لیکن یہ قرب حاصل ہوگا تو دُعا کے ذریعے مگر پھر دُعا وہ چیز ہے جس کی انتہا روحانی تجلیات پر ہوتی ہے اور جس سے مختلف طبیعتیں مختلف اثرات قبول کرتی ہیں''۔ [۱۰]

اقبال نے اپنی دُعائیہ شاعری میں اسلامی تعلیمات کو زندہ اور متحرک نظام کی صورت میں پیش کیا ہے۔ ڈاکٹر عشرت حسن انور لکھتے ہیں:

''اقبال کے شعری تصورات میں تصور دُعا بھی ہے۔ اقبال کے کلام کی پہلوداری گونا گونی اور بوقلمونی اس تصور دُعا میں بھی نمایاں ہیں۔ ان کی دُعائیں قلبی واردات کا نتیجہ ہیں اس لیے جب شعری زبان میں ڈھل کر سامنے آتی ہیں تو دل پر کیفیت طاری ہو جاتی ہے''۔۱۱

عبادت اور دُعا اعمال صالحہ ہیں۔ اعمال صالحہ کا تعلق انسان کے باطن اور ضمیر سے ہوتا ہے۔ دوسری طرف دُعا اور دوا کا تعلق اٹوٹ ہے۔ دُعا اپنے نتائج کے اظہار کیلئے تدبیر چاہتی ہے۔ تدبیر انسانی علم وعقل کی کارفرمائی اور اپنی ذات پر اعتماد و ذمہ داری کے احساس کا نام ہے۔ اقبال اسی فلسفے کے تحت دُعا اور دوا کو ساتھ لے کر چلنے کے قائل ہیں۔ اقبال کے فارسی کلام میں بھی اس فلسفے کا واضح عکس دیکھا جا سکتا ہے۔ ان کے کلام سے دُعا کی صورت میں عبودیت کے گہرے تعلق کی ایک جھلک ملاحظہ کیجئے:

رشتہ ی وحدت چو قوم از دست داد
صد گرہ بر روی کارِ ما فتاد
باز این اوراق را شیرازہ کُن
باز آئین محبت تازہ کُن
رہروان را منزلِ تسلیم بخش
قوتِ ایمان ابراہیمؑ بخش ۱۲

اقبال چاہتے ہیں کہ دُنیاوی خداؤں سے چشم پوشی کر کے صرف معبودِ حقیقی کی طرف رجوع کیا جائے۔ یہ چشم پوشی صرف تسکین قلب کا ذریعہ نہیں بلکہ سیرت وکردار پر مثبت اور رجائی اثرات ثبت کرنے کا سب سے بہترین ذریعہ ہے۔ اقبال کے نظریہ کے مطابق دُعا میں جبر و اختیار کے پہلو موجود ہیں۔ ان کا کامل یقین ہے کہ ربّ یہ کہتا ہے مجھی سے دُعا مانگو۔ اقبال کا فلسفہ ہے کہ:

''زندگی کیا ہے؟ ایک مسلسل دُعا''۔ ۱۳

اقبال کے کلام کے وہ حصے جہاں وہ اپنے بیٹے کو نصیحتیں کرتے اور دُعائیں دیتے نظر آتے ہیں بلاشبہ پدرانہ شفقت کے آئینہ دار ہیں۔ وہ اپنے نورِ نظر میں جن اخلاقی محاسن کو دیکھنا چاہتے ہیں وہی قوم وملت کے ہر نوجوان میں دیکھنے کے خواہاں ہیں۔ اقبال اپنے شاہینوں کیلئے بالخصوص دُعا گو رہتے ہیں۔ ؎

جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے
مرا عشق میری نظر بخش دے ۱۴

اقبال کی نظم ''شکوہ'' اپنی نوعیت کی یگانہ و منفرد نظم ہے۔ اس نظم میں اقبال دُعا کے ساتھ دعوت عمل بھی دیتے ہیں۔ ؎

مشکلیں امت مرحوم کی آساں کر دے
مُور بے مایہ کو ہمدوش سلیماں کر دے
جنسِ نایاب محبت کو پھر ارزاں کر دے
ہند کے دیر نشینوں کو مسلماں کر دے ۱۵؎

اقبال ایک اور جگہ مسلمانوں کے بے حسی، تعطل اور جمود کے ختم ہونے کی دُعا کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

پیدا دلِ ویراں میں پھر شورش محشر کر دے
اس محمل خالی کو پھر شاہدِ لیلا دے
احساس عنایت کر آثارِ مصیبت کا
امروز کی شورش میں اندیشہ فردا دے ۱۶؎

اس عہد کے ہندوشعرا کے ہاں بھی دُعا کے متنوع رنگ نظر آتے ہیں۔

برج نرائن چکبست کے شعری مجموعے ''صبح وطن'' میں دُعائیہ لب و لہجے کی حامل نظموں میں وطن عزیز محور و مرکز ہے۔ انہیں دُعا اور دُعا کے مستجاب ہونے کا یقین ہے۔ چکبست کی شاعری میں مذہبی عقائد اور تہذیبی عناصر کو آمیز کرنے کے علاوہ دُعا میں استفہامیہ لب و لہجے کے منفرد رنگ نے دلکشی پیدا کی ہے۔

فنکار کا فکری پس منظر کشادہ اور مسلک ہمہ گیر وسعت کا حامل ہو تو وہ غیر جانبدارانہ طریقہ سے اپنے اطراف کا مطالعہ کرسکتا ہے۔ تلوک چند محروم کا شمار بھی ایسے شاعروں میں ہوتا ہے۔ اس وسیع النظر شاعر کی شخصیت اور شاعری پر ہند اسلامی کلچر کا دلآویز امتزاج نظر آتا ہے۔ اسلامی تہذیب سے یہ لگاؤ محض عقیدہ پرست کا جذباتی لگاؤ نہیں بلکہ خلوص کی دیرپا وابستگی سے پیدا ہونے والا یقین ہے جو محروم کی شاعری کا خاصا ہے۔ ان کے ہاں خدا کے قُرب، حمد وثنا اور نظم کی شکل میں نظر آتی ہیں۔ وہ اپنی شاعری میں یا رب، اے خدا، اے میرے پروردگار، اے خداوند، خدائے برتر، خداوند کریم، خالق پاک جیسے الفاظ استعمال کر کے دُعائیہ انداز اپناتے ہیں۔ اس انداز میں تضرع اور عاجزی جھلکتی ہے۔

کیا ہو گیا ایّام مسرت کو الٰہی؟
شامِ طربِ ہند کدھر ہو گئی راہی ۱۷؎

☆

رام و لچھمن کی جبیں میں جو کبھی روشن تھا
پھر اسی نور کے جلووں کو ہویدا کر دے
صومعے رشیوں کے تاریک نظر آتے ہیں
پھر ہمالہ کی گپھاؤں میں اُجالا کر دے ۱۸؎

محروم کے شعری سفر میں دُعا مسلسل ان کی نگہبانی کرتی رہی ہے۔ وہ ہر لحظہ اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ ان کی زندگی کا آخری شعر بھی دُعائیہ ہے جو انتقال سے دو دن قبل لکھا گیا۔ کہتے ہیں: ؎

محروم آج عالم فانی سے چل بسا
مانگو یہی دُعا کہ خدا مغفرت کرے [۱۹]

اُردو کے جدید شاعروں میں منفرد آواز رکھنے والے شاعر جوش ملیح آبادی کی شعری کائنات تخلیقی توانائی کے اعتبار سے وسیع، ہمہ گیر اور متنوع ہے۔ وہ وسیع المشرب اور وسیع النظر شخص تھے۔ کلامِ جوش کے آئینے میں جوش توحید پرست اور عارفِ رسالت نظر آتے ہیں۔ ان کی دُعائیہ انداز کی حامل شاعری اس بات پر مہر ثبت کرتی ہے کہ جوش بے یقینی کی کیفیات کا شکار ہوں یا مذبذب، انھوں نے اس ہستی کو پکارا ہے جو سمیع و بصیر ہے۔

ملنے ہی پہ ہے دولتِ قلب شاداں
ہونے ہی کو ہے دردِ جگر کا درماں
ہاں یوں نہیں جناب گڑگڑائے جائیں
اللہ دُعائیں سن رہا ہے جی ہاں [۲۰]

بیسویں صدی کی دوسری دہائی میں اُردو شاعری کو نئے اسلوب، ہیئت اور تکنیک سے متعارف کروانے، قافیے ردیف کی پابندیوں سے آزاد ہو کر نئے تجربات کرنے میں اہم نام تصدق حسین خالد کا ہے۔ ان کی نظموں میں مفکرانہ استفسار دُعائیہ لب ولہجہ کی نظموں میں موجود ہے۔

آہ لیکن نالۂ بیتاب ''یا ربّ'' کی صدا
اس میں کیا پنہاں ہے
تجھ سے کیا کہوں
تو کہ ہے فکرِ اجابت کا اسیر [۲۱]

حفیظ جالندھری اقبال کے بعد ابھرنے والی چند نمایاں آوازوں میں شامل ہیں۔ ان کی شاعری میں اسلامی افکار و اقدار کی فراوانی ہے، ایمان کی چاشنی نے ان کی عقیدت مندانہ شاعری کو مزید رونق بخشی ہے۔ انسانی فطرت کا خاصہ ہے کہ مصیبت میں خدا یاد آتا ہے۔ حفیظ بھی ایسے مواقع پر خدا کو یاد کرتے ہیں۔

ہے کون جو سنبھالے
کشتی ترے حوالے
یا ربّ تو ہی بچا لے
اے نوحؑ کے کھویّا لگ جائے پار نیّا
بندوں کا تو خدا ہے
اور تو ہی ناخدا ہے
تیرا ہی آسرا ہے [۲۲]

بحیثیت مجموعی شاعروں کی دُعائیں اسلامی تہذیب و اقدار کے زوال اور مسلمانوں کے اقبال کے آفتاب کے

غروب ہونے پر رنجیدہ ہوکر کی گئی ہیں۔ اخلاقی وسماجی انحطاط اور اعلیٰ اخلاقی نظام سے دوری اس بات کی متقاضی تھی کہ قوم کو حوصلہ دلا کر بارگاہ الٰہی میں سر جھکا دیا جائے۔ اللہ کی فضیلت، کبریائی اور بڑائی کا احساس دلا کر اس کی رضا اور خوشنودی حاصل کرنے کی ترغیب دی جائے۔ اس لئے شعرا کی اکثریت کے ہاں خلوص نیت خلوص دل اور سچائی کے ساتھ دُعا کے مستجاب ہونے کا یقین موجود ہے۔ دُعا کے لیے عجز، انکسار، خاکساری اور رجوع الی اللہ کی کیفیت ضروری ہوتی ہے۔ خشوع وخضوع اس کی لازمی شرط ہے۔ شاعروں نے بارگاہ ایزدی میں دُعا کے ان آداب کا اہتمام پابندی سے کیا ہے۔

دُعا روشنی ہے۔ یہ امید کی جوت جگاتی ہے۔ دُعا تمام دکھوں اور مصائب کو رب ذوالجلال کے حوالے کر دینے کا ایک ایسا یقین سے بھرپور احساس ہے کہ جس کے نتیجے میں عمل کا راستہ خود بخود دکھائی دینے لگتا ہے اور انسان دُعا اور عمل کے ساتھ مل کر کامیابی کے سفر پر چل نکلتا ہے۔ شاعروں کے ہاں یہی سفر کیا گیا ہے۔ اگرچہ ان دُعاؤں کا مقصد اصلاح ہے اور شعرا کے ہاں دُعاؤں کے الفاظ بھی یقیناً مختلف ہیں لیکن اکثر دُعاؤں کی نوعیت ایک جیسی ہے۔ ان کا مقصد مسلمانوں کو عظمت رفتہ کی یاد دلا کر پسپائی اور پسماندگی کے جذبات سے نکال کر عزم نو اور عمل کا سبق دینا ہے اس لئے یہ دُعائیں سادگی کا عمدہ نمونہ اور پاکیزہ جذبات سے لبریز ہیں۔

حواشی:

۱۔ ہارون قادر، ڈاکٹر (مرتب) کلیات آزاد، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۰ء، ص: ۱۴۴

۲۔ الطاف حسین حالی، کلیات نظم حالی جلد (دوم) (مرتبہ) افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۰ء، ص ۲۰۴

۳۔ ایضاً، ص: ۱۷۶

۴۔ اسمٰعیل رئیس میرٹھی، مولانا، کلیات اسمٰعیل میرٹھی (مرتبہ) شبیر شائق، لاہور: برائٹ بکس، ۲۰۱۱ء، ص: ۳۶۲

۵۔ اکبرالٰہ بادی، کلیات اکبرآبادی (مرتبہ) محمد نواز، چودھری، لاہور: مکتبہ شعروادب، س۔ن، ص: ۴۹۵

۶۔ شبلی نعمانی، مولانا، کلیات شبلی (اُردو) (مرتبہ) سید سلیمان ندوی، اعظم گڑھ: معارف پریس، ۱۹۵۴ء، ص: ۵۶

۷۔ ظفرعلی خان، مولانا، بہارستان، مشمولہ، کلیات مولانا ظفرعلی خان (مرتبہ) زاہد علی خان، لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، ۲۰۱۱ء، ص: ۴۱۱

۸۔ ظفرعلی خان، مولانا، چمنستان، مشمولہ، کلیات مولانا ظفرعلی خان (مرتبہ) زاہدعلی خان، ص: ۲۰

۹۔ ظفرعلی خان، مولانا، نگارستان، مشمولہ کلیات مولانا ظفرعلی خان (مرتبہ) زاہدعلی خان، ص: ۱۷۹

۱۰۔ نذیر نیازی، سیّد (مترجم)، تشکیل جدید الہیات اسلامیہ از علامہ محمد اقبال، لاہور: بزم اقبال، طبع سوم، ۱۹۸۶ء، ص: ۱۳۳

۱۱۔ عشرت حسن انور، ڈاکٹر، اقبال کی مابعدالطبیعات، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۷۷ء، ص: ۹۱

۱۲۔ اقبال، محمد، علامہ، کلیات اقبال (فارسی) لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۹۰ء، ص: ۹۰-۸۹

۱۳۔ نذیر نیازی، سیّد، اقبال کے حضور، جلد (اوّل)، لاہور: اقبال اکادمی، ۱۹۸۱ء، ص: ۳۶۱

۱۴۔ اقبال، محمد علامہ، کلیات اقبال (اُردو)، لاہور: اقبال اکادمی، طبع دہم ۲۰۱۱ء، ص: ۴۵۲

۱۵۔ ایضاً، ص: ۱۹۷

۱۶۔ ایضاً، ص: ۲۴۲، ۲۴۱

۱۷۔ تلوک چند محروم، کاروان وطن، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۶۰ء، ص: ۱۴۴

۱۸۔ ایضاً، ص: ۲۸

۱۹۔ جگن ناتھ آزاد، حیات محروم، نئی دہلی: انجمن ترقی اُردو، ۱۹۸۷ء، ص: ۱۹۶ (بہ حوالہ)

۲۰۔ جوش ملیح آبادی، نجوم و جواہر، کراچی: جوش اکیڈمی، ۱۹۶۷ء، ص: ۳۳۰

۲۱۔ تصدق حسین خالد، سُر ودِنو، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۰ء، ص: ۱۶۳

۲۲۔ حفیظ جالندھری، کلیات حفیظ جالندھری (مرتبہ) ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، ص: ۹۴

☆☆☆